93208 ـ غير شرعي قوانين كو استعمال كرتے ہوئے خاوند كو شادى نہ كرنے دينا

سوال

ايك باپرد مسلمان عورت كو خاوند نے طلاق كے الفاظ بول كر طلاق دے دى يہ عورت سويسرا ميں رہتى ہے، اس طلاق كے فورا بعد يہ عورت سويسرى عدالت ميں گئى اور خاوند سے عليحدگى طلب كر لى جس كى بنا پر خاوند كى آدھى سے زيادہ ماہانہ تنخواہ عورت كو ديے جانے كا فيصلہ ہوا.
يہ علم ميں رہے كہ يہ عورت ملازمت نہيں كرتى بلكہ اپنى چار برس كى بيٹى كى ديكھ بھال اور پرورش كر رہى ہے، يہاں سويسرى قانون كے مطابق يہ عدالتى فيصلہ طلاق نہيں، بلكہ طلاق تو خاوند اور بيوى كى رضامندى سے ہوتى ہے، يا پھر عليحدگى كى تاريخ سے دو برس پورے ہونے كى صورت ميں طلاق ہوگى.
اب عليحدگى كو ايك برس سے زائد ہو چكا ہے اور يہ عورت اپنے حق سے زائد حاصل كر رہى ہے، اور اب تك طلاق پر رضامند ہونے سے بھى انكار كرتى ہے تا كہ اس طرح وہ اپنے خاوند كو كسى اور عورت سے شادى كرنے سے روكے ركھے، سوال يہ ہے كہ:
ـ كيا اس بنا پر كہ ملكى قوانين كے مطابق فيصلہ كرانا ضرورى ہے جہاں ہم رہتے ہيں اور شرعى عدالت ميں نہ جانا صحيح ہے ؟
يہ علم ميں رہے كہ بچى كا خرچ تو اس كے والد كے ذمہ ہے تو كيا اس عورت كى عدت گزرنے كے بعد ايك برس سے بھى زائد ہو چكا ہے كے بعد بھى عورت كے اخراجات اور اس كى رہائش سابقہ خاوند كے ذمہ ہے، اور ان اخراجات كا وجوب كب ختم ہوتا ہے ؟
ـ اس عورت كا حكم كيا ہے جو خاوند كو دوسرى شادى سے روكنے كے ليے سويسرى قوانين كو استعمال كرے حالانكہ اسے ايك برس قبل طلاق بھى دے چكا ہے ؟

پسنديدہ جواب

الحمد للہ.

غير شرعى قوانين سے فيصلے كرانا جائز نہيں كيونكہ اللہ سبحانہ و تعالى كا فرمان ہے:

تيرے پروردگار كى قسم ہے يہ اس وقت تك مومن ہى نہيں ہو سكتے جب تك آپ كو اپنے سب اختلافات ميں حاكم نہ مان ليں، اور پھر آپ جو فيصلہ كر ديں اس كے متعلق اپنے دلوں ميں كوئى تنگى محسوس نہ كريں، اور اسے بالكل تسليم نہ كر ليں النساء (65).

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے عزت والے مقدس نفس کی قسم اٹھائی ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن ہی نہیں ہو سکتے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سب امور میں فیصلہ کرنے والا تسلیم نہ کر لیں، اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کر دیں وہ حق ہے اسے تسلیم کرنا اور اس کے سامنے ظاہری اور باطنی طور پر سرتسلیم خم کرنا واجب ہے اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالی نے فرمایا ہے:

پھر آپ ان میں جو فیصلہ کر دیں اسے پوری طرح تسلیم کر لیں اور اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں .

یعنی: جب آپ فیصلہ کریں تو وہ اپنے اندر اور باطن میں بھی اس کی اطاعت کریں اور اپنے دلوں میں آپ کے فیصلہ سے کسی بھی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں، اور ظاہر میں بھی اس کی اطاعت کریں، اور باطن میں اسے مکمل طور پر غیر کسی تنگی کے تسلیم کریں، نہ تو اس کی مخالفت ہو اور نہ ہی مدافعت.

جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

" اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں اس وقت تک کوئی مومن ہی نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں " انتہی

دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (1 / 532).

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" اس قسم کی " لا " کے ساتھ تاکید ہے، اور اللہ کی ربوبیت کی اپنے بندوں کے لیے خاص قسم ہے ۔ جو کہ اللہ کے رسول کے لیے اللہ کی ربوبیت ہے ۔ اس پر قسم ہے کہ جو شخص ان امور پر قائم نہیں اس میں ایمان ہی نہیں ہے:

اول:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا فیصل و حاکم تسلیم کرنا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: " حتی کہ وہ آپ کو اپنا فیصلہ کرنے والا مان لیں "

اس لیے جس نے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو اپنا فیصل مانا تو وہ مومن نہیں، یا تو وہ کافر ہے ملت اسلامیہ سے خارج کافر، یا پھر وہ کافر ہے لیکن یہ کفر دون کفر ہے.

دوسرا:

اس فیصلہ پر شرح صدر ہو یعنی شرح صدر سے فیصلہ تسلیم کرے، وہ اس طرح کہ اپنے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر کوئی تنگی و حرج محسوس نہ کریں، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ اسے خوشی و دل سے تسلیم کریں.

تیسرا:

وہ اسے مکمل اور پوری طرح تسلیم کریں، اور اس کی مصدر سے تاکید کی گئی ہے کہ مکمل اور پوری طرح تسلیم کریں.

اس لیے میرے مسلمان بھائی آپ اس سے بچیں کہ کہیں آپ سے ایمان کی نفی نہ ہو جائے " انتہی

دیکھیں: شرح الواسطیۃ ابن عثیمین (181 - 182).

سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بہن میں بہت خیر و بھلائی ہے اور پردہ کا التزام کرنا اس خیر کی علامت ہے، اس بہن پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ایسے افراد سے رجوع کرے جو اسے طلاق دینے والے خاوند کے درمیان شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلہ کرے.

ایسے ممالك میں جہاں غیر شرعی قوانین ہیں اور شرعی عدالتیں نہیں وہاں اس پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے اس کے متعلق ہم سوال نمبر (4044) کے جواب میں پوری تفصیل بیان کر چکے ہیں، اس لیے آپ اس کا مطالعہ کریں اس میں ان شاء اللہ کفایت ہے.

رہا سوال میں وارد شدہ مسائل کے متعلق جواب تو ہم گزارش کرتے ہیں:

اول:

خاوند کی جانب سے طلاق کے الفاظ بولنے کی بنا پر طلاق واقع ہو جای ہے، اور اس کے لیے کسی شرعی حکم کی ضرورت نہیں، چہ جائیکہ غیر شرعی قوانین کا سہارا لیا جائے جسے اللہ نے نازل نہیں کیا.

دوم:

کسی بھی شخص کو اللہ کی جانب سے اس کے لیے مباح کردہ چیز سے روکنے کے لیے غیر شرعی قوانین کا سہارا لینا جائز نہیں، بلکہ ایسا کرنا ظلم و زیادتی ہے اس لیے اس بہن کو اللہ کا ڈر اور تقوی اختیار کرنا چاہیے، اور اسے علم ہونا چاہیے کہ ظلم روز قیامت کے اندھیروں میں سے ایك اندھیرا ہے.

سوم:

طلاق شدہ عورت کی عدت ختم ہونے کے بعد اسے کوئی نفقہ و اخراجات نہیں اور نہ ہی رہائش ہے.

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" نفقہ اور رہائش تو اس عورت کے لیے واجب ہے جو رجعی طلاق والی ہو جب تك اس سے رجوع کرنا ممکن ہے " انتہی

دیکھیں: المغنی (7 / 145).

چہارم:

جب یہ علم ہو چکا کہ اس عورت کو نہ تو نفقہ ملےگا اور نہ ہی رہائش تو پھر غیر شرعی قانون کی بنا پر جو کچھ وہ اس شخص سے لے رہی ہے اور وہ شخص اسے دینے پر راضی نہیں تو یہ حرام ہے.

کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

اے ایمان والو تم آپس میں ایك دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ، الا یہ کہ وہ آپس میں رضامندی کے ساتھ تجارت ہو النساء (29).

اور اس لیے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

" ہر مسلمان شخص کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون بھی حرام ہے اور اس کا مال بھی اور اس کی عزت بھی حرام ہے "

اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے.

اس لیے اس عورت کو چاہیے کہ اس نے جو کچھ لیا ہے وہ اسے واپس کر دے، یا پھر اس سے معاف کروائے.

پنجم:

سات برس کی عمر سے قبل بچی کی پرورش کا حق ماں کو ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ جب ماں مسلمان ہو، اور امانتدار ہو اور جب تك وہ کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کر لے.

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" جب دونوں خاوند اور بیوی علیحدہ ہو جائیں اور ان کی اولاد بھی ہو یا پھر معذور بچہ ہو تو اس کی کفالت کے لیے ماں زیادہ حقدار ہے جب اس ماہ میں شرائط پوری پائی جائیں، چاہے بچہ ہو یا بچی، یحي انصاری اور امام زھری، ثوری، مالك، شافعی، ابو ثور، اسحاق، اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے، اس میں ہمیں کسی اختلاف کا علم نہیں " انتہی

دیکھیں: المغنی (8 / 190).

ششم:

اگر بچی ماں کی پرورش میں ہے تو بچی کا نفقہ و اخراجات شرعی طور پر اس کے والد کے ذمہ ہے، اس کی دلیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث ہے:

عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ ھند بن عتبہ رضی اللہ تعالی عنہا نے عرض کیا:

اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان ایك کنجوس اور بخیل شخص ہے وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو میرے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو جائے، لیکن وہی میں جو میں اس کے علم کے بغیر مال لے لیتی ہوں.

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" تم اچھے طریقہ سے اتنا مال لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو "

اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ اولاد کا نفقہ باپ کے ذمہ واجب ہے، اور اس نفقہ کا اندازہ کفائت کے مطابق ہو گا، عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کافی اخراجات سے زائد لے.

واللہ اعلم .